خاندان، ذات برادری اور قومیت۔۔۔نام و نسب کے آج بھی معتبر حوالے؟

مذہب، مسلک، خاندان، ذات برادری، علاقہ، ثقافت اور زبان شناخت کے مختلف پہلو ہیں جو ہماری پہچان کو معاشرے میں دوسروں سے منفرد کرتے ہیں لیکن انہی بنیاد پر سماج میں تقسیم گہری ہوئی ہے۔اونچی ذات والے اپنی پہچان پر فخر اور نیچی ذات قرار دیے جانے والے ایک خاص قسم کے تکلیف اور احساس کمتری میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہی احساس انسانی گروہوں کی اجتماعی نفسیات کو متاثر کرتا ہے۔

گیلپ پاکستان کی رپورٹ کے مطابق 39 فیصد پاکستانیوں کا خیال ہے کہ مختلف ذات برادریوں میں شادی کرنا مشکل ہے۔تاہم ایسے پاکستانی جو اپنی سے مختلف ذات برادری کے ہاں شادی کرنا آسان سمجھتے ہیں، اُن میں عورتوں کی نسبت مرد، دیہی علاقوں کی نسبت شہری علاقوں اور کم و متوسط عمر کی نسبت 50 سال سے زیادہ عمر کے افراد میں زیادہ پائی جاتی ہے۔

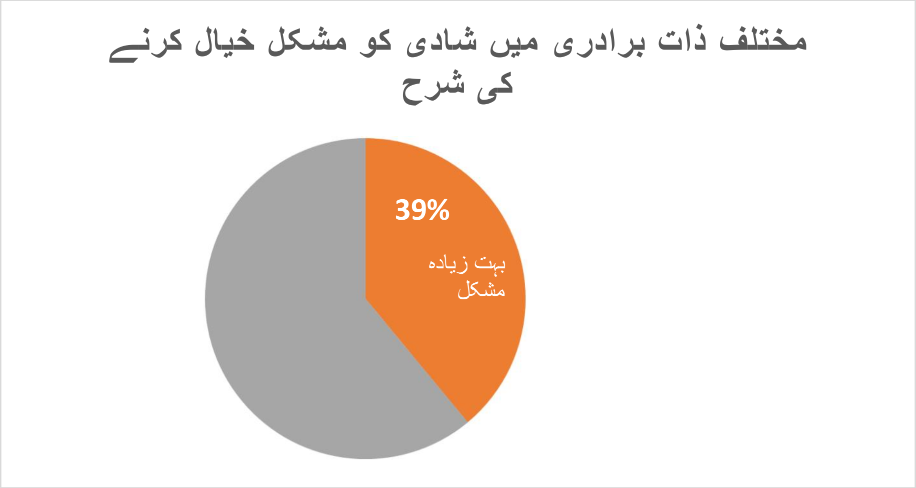

خاندان کے اندر شادیوں کا ماضی

ہمارا ماضی خاندان کے اندر ہی شادیوں کی اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے۔جب کسی بچے اور بچی کی شادی کی بات ہوتی تو سب سے پہلے خاندان ہی کی طرف دیکھا جاتا۔عمومی طور پر یہ بھی ہوتا رہا ہے کہ چھوٹے بچوں کو ایک دوسرے سے منسوب بھی کر دیا جاتا تھا۔اب بھی بعض علاقوں میں اس طرح کا چلن موجود ہے۔

خاندان میں شادی بیاہ کی کئی وجوہات ہیں۔ مگر ایک وجہ نام و نسب بھی ہے۔اُونچی ذات کے خاندان یا تو اپنے ہی خاندان کو ترجیح دیتے ہیں یا پھر دیگر اونچے خاندانوں کا انتخاب کرتے ہیں۔لڑکوں کی شادیاں تو باہر ہو جاتی ہیں، مگر لڑکی کی شادی کے لیے اُونچا خاندان ضرور ترجیح رہا ہے۔

جب خاندان رشتہ کی تلاش میں کلیدی کردار ادا کرے گا تو اُس کی اولین ترجیح اپنی ذات ،برادری اور اپنا خاندان ہی ہو گا۔اگر شادی بیاہ کے لیے رشتوں کی تلاش کو دیکھیں تو گیلپ پاکستان کی رپورٹ کچھ اس طرح کے اعداد و شمار کا اظہار کرتی ہے۔58 فیصد رشتوں کی تلاش میں، گھروالوں کا کردار سامنے آتا ہے۔26 فیصد رشتہ دار، رشتہ کی تلاش میں معاونت کرتے ہیں۔اسی طرح دوستوں کی شرح 16 فیصد اور 7 فیصد شرح اُن افراد کی بنتی ہے، جو پیشہ ور کے طور پر رشتے کرواتے ہیں۔

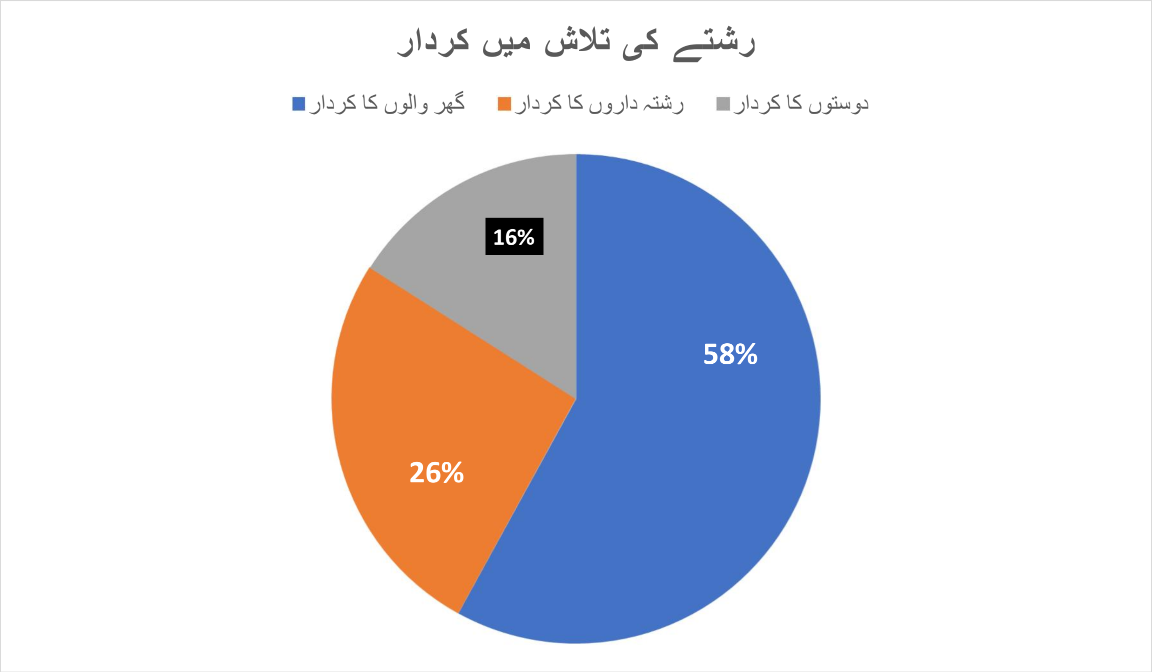

خاندانوں سے باہر شادی کا رواج اگرچہ پنپ رہا ہے، مگر اپنی مخالف ذات برادری میں شادی کو مشکل سمجھنے والوں کی ایک وجہ درج بالا اعداوشمار سے بھی کسی حد تک عیاں ہوتی ہے۔رشتوں کی تلاش میں زیادہ تر فیملی اور رشتہ دار و دوست ہی کردار ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔جبکہ قلیل شرح اُن لوگوں کی بنتی ہے جو پیشہ ور ہیں۔ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ اخبارات میں ضرورتِ رشتہ کے اشتہار دیکھنے والوں کی شرح 30 فیصد جبکہ نہ دیکھنے والوں کی شرح 70 فیصد ہے۔ایک مزید دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ صرف 25 فیصد لوگ ایسے ہیں، جو ضرورت رشتہ کی آن لائن ویب سائٹس کی محض معلومات رکھتے ہیں اور یہ معلومات نہ رکھنے والوں میں 75 فیصد ہیں۔

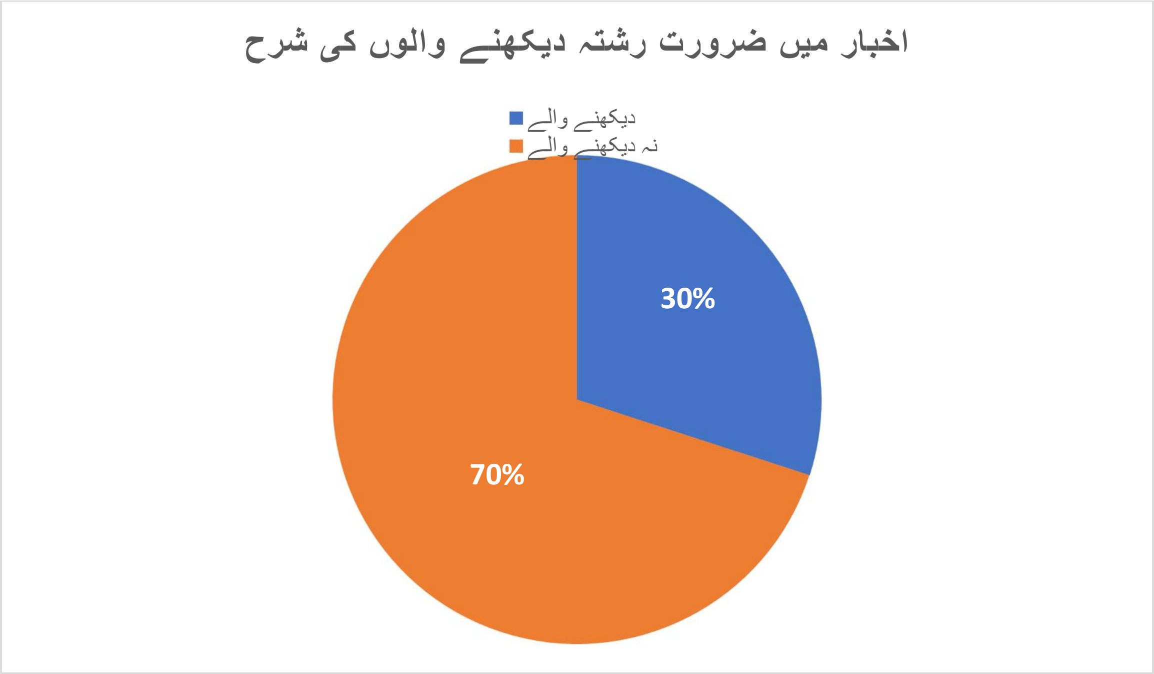

نئے تشکیل پاتے سماج کی ترجیحات

آبادی میں بے تحاشا اضافہ کی بدولت، دیہاتوں، قصباتوں اور شہروں میں زندگی کے معمولات میں فرق آیا اور آ بھی رہا ہے۔انسانی ضروریات بڑھنے سے سوچنے کے انداز میں تبدیلیاں آئی اور آرہی ہیں۔خاندانوں میں لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کا رجحان بڑھا ہے۔ماں باپ کے لیے لڑکیوں کے پڑھ لکھ جانے اور پھر پیشہ ور زندگیوں میں عملی کردار سے اُن کے لیے مناسب جگہ پر رشتوں کا مسئلہ پیدا ہوا ہے۔اس طرح کے مسائل سے خاندان اور خاندان سے باہر شادیوں کے رویوں میں لچک پیدا ہونا مجبوری ہے۔اگر خاندان سے باہر شادی کو مشکل سمجھا جارہا ہے تو آسان سمجھنے والوں کی بھی ایک معقول تعداد موجود ہے۔جیسا کہ گیلپ کی رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ اس عمل کو بہت زیادہ آسان قرار دینے والوں کی شرح 19 فیصد جبکہ بہت زیادہ مشکل قرار دینے والوں کی شرح 26 فیصد ہے۔اسی طرح جنس کے اعتبار سے رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ بہت زیادہ آسان اور کسی حد تک آسان سمجھنے میں خواتین کی شرح 44 فیصد جبکہ مردوں کی شرح 53 فیصد بنتی ہے۔یوں مردوں کی 9 فیصد زیادہ شرح مختلف ذات برادری سے شادی کو آسان سمجھتی ہے۔

آبادی کے انتقال کی وجہ سے ایک ہی جگہ اور علاقوں میں رہنے والوں کے مابین اجنبیت کی دیواریں ایستادہ ہیں۔بڑے شہروں میں بہت ہی تیزی کے ساتھ آبادی کا دباؤ بڑھا ہے۔نئی ہاؤسنگ کالونیاں بنی ہیں اور وہاں رہائش اختیار کرنے والے عمومی طور پر ایک دوسرے سے واقف نہیں ہوتے۔ایسے شہروں میں نئی رشتہ داریاں بنانا دشوار کام ہے۔یہاں آکر بسنے والے اپنے بچوں کے لیے اپنے آبائی علاقوں میں مناسب رشتہ ڈھونڈنے سے قاصر رہتے ہیں تو اُن کے پاس چوائس اپنی بسائی گئی نئی آبادیوں

میں ہی محض رہ جاتی ہے۔ یہ نئی طرز کی سماجی زندگی کئی چیزوں کو بدل رہی ہے۔ اگر گیلپ پاکستان کی رپورٹ کا علاقائی سطح پر جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دیہاتی زندگی میں بہت زیادہ آسان اور کسی حد تک آسان سمجھنے والوں کی شرح 47 فیصد بنتی ہے، تو شہری زندگی میں یہ شرح 53 بنتی ہے۔

سماجی ایشوز کی کلی حقیقت کا ادراک، ایک جامع مطالعہ ہی کی روشنی میں سامنے آسکتا ہے۔ ہمارے ہاں عمومی طور پر تاثرات کے سہارے رائے قائم کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گیلپ پاکستان کی مذکورہ رپورٹ کئی پہلو ہمارے سامنے لاتی ہے۔

ایک قوم سے دوسری قوم کا معاملہ

ایک پنجابی قومیت کا خاندان، اپنی قومیت میں مختلف خاندان میں رشتہ داری کو زیادہ مشکل نہیں سمجھے گا بہ نسبت کہ اُس کو الگ قوم کا بھی انتخاب کرنا پڑے۔ ایسا ہی معاملہ کسی پشتون قومیت کے حامل خاندان کا بھی ہوگا۔ مگر اس ضمن میں گیلپ پاکستان کی رپورٹ کے اعداد و شمار نئی سماجی صورتحال کا اشارہ ضرور دیتے ہیں۔ ایک صوبہ سے تعلق رکھنے والے خاندان دوسرے صوبوں میں معاشی ضرورتوں کے تحت بسیرا کیے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن عمومی طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے بچے اور بچیوں کی شادیوں کو خاندانوں میں ہی ترجیح دیتے ہیں۔ تاہم پشتون خاندانوں کا پنجابی خاندانوں کے ہاں شادیاں کرنا آسان بھی سمجھا جاتا ہے۔

ایک قوم سے دوسری قوم جیسا کہ پشتون خاندان کا پنجابی خاندان کے ہاں شادی کرنا کتنا آسان اور کتنا مشکل ہے؟ اس حوالے سے گیلپ پاکستان کی رپورٹ کے جو اعداد و شمار سامنے آئے وہ کچھ اس طرح ہیں۔ 40 فیصد لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ آسان ہے، جبکہ 50 فیصد کا خیال ہے کہ ایسا مشکل ہے۔ اگر اس حوالے سے دیہی اور شہری علاقوں کا تناسب دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ 38 فیصد دیہاتی اور 44 فیصد شہریوں کا خیال ہے کہ مختلف قومیت میں شادی کرنا آسان ہے۔ اگر مشکل سمجھنے والوں کی شرح 50 فیصد ہے تو 40 فیصد لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کو آسان بھی سمجھتے ہیں۔ جبکہ شہری تمدن میں آسان سمجھنے والوں کی شرح اُوپر ہے۔

ایک حیران کن پہلو یہ ہے کہ 30 سال تک کی عمر کے نوجوانوں کی 61 فیصد تعداد مخالف قوم میں شادی کے عمل کو مشکل سمجھتی ہے۔